عہدِ نبویؐ میں سفارتی تنظیم

محمد یوسف فاروقی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

(۲)

سفیرِ رسولؐ نجاشی کے دربار میں شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن امیہ ضمری نے سفارتی فرائض انجام دیے۔ نجاشی مذہباً عیسائی تھا۔ ۵ نبوی میں جب کچھ مسلمان ہجرت کرکے حبشہ آگئے تھے تو اہلِ مکہ نے نجاشی پر سفارتی ذرائع سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ ان مسلمانوں کو واپس لا سکیں یا کم از کم نجاشی انہیں سرزمین حبشہ سے نکال دے۔ لیکن مسلمانوں کے نمائندوں سے گفتگو اور حضرت جعفر طیار کی تقریر سے وہ متاثر ہو چکا تھا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام حق ہے اور یہ وہی پیغام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے باقاعدہ سفیرِ دعوتِ حق لے کر آ گئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی نجاشی کو پیش کیا۔ اور بہت خوب صورت و بلیغ انداز میں شاہ حبشہ سے گفتگو کی[1]۔ نجاشی نے آپ کے مکتوب کو بڑے ادب و احترام کے ساتھ پڑھا۔ خط پڑھ کر جواب لکھوایا جس میں اس نے اپنے قبولِ اسلام کا اعتراف کیا۔ اس نے لکھا کہ میں نے آپ کے سفیر کے ہاتھ پر آپؐ کی بیعت کر لی ہے[2]۔

---

[1] ابن سید الناس عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۴

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۲۹۳

مصر کے لیے سفارت مملکت مصر کے حاکم مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن بلتعہ رضؓ رسول اللہؐ کے سفیر بن کر آئے۔ مقوقس نے آپؐ کے سفیر کا بڑا اعزاز کیا۔ حاطب ابن ابی بلتعہ نے نبی اکرمؐ کا پیغام پہنچایا اور اسلام و پیغمبر اسلام کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔

شاہِ مصر مملکتِ اسلامیہ کے سفیر سے گفتگو کر کے متاثر ہوا اور اُس نے ان الفاظ سے انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔

"احسنت انت حکیم جاء من عند حکیم

تم نے بہت اچھی بات کی ہے۔ تم ذہین و سمجھدار انسان ہو اور ایک دانا و حکیم کی جانب سے آئے ہو[1]

مصر میں قبطیوں کا یہ حکمران خود مختار نہ تھا بلکہ رومی سلطنت کے زیرِ اثر تھا۔ اُسے یہ جرأت تو نہ ہوئی کہ آپ کی دعوت کو بے جھجک قبول کر لیتا۔ حاکم مصر نے اس مکتوب کا جواب دیا جس میں خیرسگالی کے جذبات کا اظہار کیا۔ اُس نے رسول اللہ کو بہت سے تحائف بھی بھیجے[2]

بحرین سے سفارتی رابطہ حاکم بحرین کے ساتھ بھی سفارتی سطح پر رابطہ قائم ہوا۔ منذر بن ساوی اس زمانہ میں بحرین کا حاکم تھا، جو مجوسیت کا پیروکار تھا۔ حضرت علاء بن حضرمی نے سفارتی فرائض انجام دیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی پہنچایا۔ شاہ بحرین نے آپ کا مکتوب بہت غور سے پڑھا۔ آپؐ کے سفیر سے باتیں کیں اور بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ اُس نے بحرین کے عوام کو بھی رسول اللہؐ کا مکتوب پڑھوایا۔ بحرین میں مجوسیوں اور یہودیوں کی آبادی تھی۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ منذر بن ساوی نے رسول اللہؐ سے خط کے ذریعے ایک سیاسی الجھن کے بارے میں دریافت کیا جو ارکان حکومت اور رعایا کے بہت سے افراد کے قبول اسلام کے بعد پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہ کہ اب غیر مسلم رعایا کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہو گا؟[3]

۱؎ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۲۹۳

۲؎ السہیلی، روض الانف جلد ۲ ص ۲۵۵ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۲۹۵ و ۲۹۸
عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۵

۳؎ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۳۰۰ - عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۶ - روض الانف جلد ۲ ص ۲۵۶

سلطنت عمان کے لیے سفارت سلطنت عمان میں جلندی حکمران تھا، لیکن عملاً اس کے دو بیٹے عبد اور جیفر حکمرانی کر رہے تھے۔ ان دونوں کے پاس حضرت عمرو بن العاصؓ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت عمرو بن العاص خود ایک بہت بڑے سردار کے بیٹے تھے۔ ان کے والد کی قائدانہ صلاحیتوں کا سارا عرب معترف تھا۔ حضرت عمرو بن العاص عمان پہنچے تو پہلے عبد بن جلندی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ عبد بن جلندی بہت خوش اخلاق، بردبار اور سلیم الطبع انسان تھا۔ اس نے دین اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اس کے علاوہ اس دور کی بین الاقوامی سیاست اور دیگر حکمرانوں کے اسلام کے بارے میں طرز عمل سے متعلق سوالات کیے۔ مثلاً اس نے شاہ حبشہ کے بارے میں سوال کیا کہ کیا اسے بھی اسلام کی دعوت دی گئی ہے؟ اگر اسے دعوتِ دین دی گئی ہے تو اس پر اس کا کیا ردِ عمل ہوا؟ نجاشی کے اسلام قبول کرنے کا اس کی رعایا پر کیا ہوا؟ مملکت حبشہ کے پادریوں اور راہبوں نے اپنے بادشاہ کے قبولِ اسلام پر کس قسم کے ردِ عمل کا مظاہرہ کیا؟ کیا روم کے بادشاہ ہرقل کو بھی نجاشی کے قبولِ اسلام کی اطلاع مل گئی؟ اطلاع ملنے پر ہرقل نے سلطنتِ حبشہ کے خلاف کوئی کارروائی کی؟[1] حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تمام سوالات کے جواب دیے اور اسے خاصا مطمئن پایا۔ بعد میں اس کے بڑے بھائی جیفر کے ساتھ بھی گفتگو ہوئی۔ یہ سلسلۂ مذاکرات کئی روز تک جاری رہا۔ جیفر و عبد کی معاونت کے لیے ان کی مملکت کے دیگر اہم ارکان اور مشیر بھی شریک رہے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں حکمران اسلام کے بارے میں مطمئن ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔[2] الاصابہ میں جلندی کے کچھ اشعار منقول ہیں جو انہوں نے اپنے قبول اسلام کے سلسلے میں کہے تھے۔ اشعار یہ ہیں:

اتانی عمرو بالتی لیس بعدھا
من الحق شیئ والنصیح نصیح

---

[1] ان سوالات سے عبد جلندی کی سیاسی بصیرت اور ذہانت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۳۰۱ تا ۳۰۳، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۸
روض الانف جلد ۲ ص ۳۵۶۔

فیا عمرو قد اسلمت لله جهرة
ينادي بها في الواديين فصيح

"عمرو میرے پاس حق وصداقت کا وہ پیغام لائے ہیں جس کے بعد حق وصداقت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ اور خیر خواہ انسان تو خیر خواہ ہی ہوتا ہے۔

اے عمرو! میں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ پہ ایمان لے آیا ہوں۔ میرے ایمان کا اعلان ان دونوں وادیوں میں ایک فصیح وبلیغ بآواز بلند کرے گا۔[1]

یمامہ کی طرف ترسیل سفر یمامہ کے امیر ہوذہ بن علی کے ساتھ سفارتی رابطے کے لیے حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ کا انتخاب ہوا۔ انہیں اس لیے یمامہ کی سفارت کے لیے منتخب کیا گیا تھا کہ وہ اکثر وہاں جاتے رہتے تھے۔ وہاں کے حالات اور لوگوں سے واقف تھے۔[2] سلیط بن عمروؓ نے امیر یمامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچایا اور دینِ اسلام کے بارے میں وضاحت سے بتایا۔ ہوذہ بن علی نے سفیرِ رسول اللہ کو باعزاز واحترام کے ساتھ ٹھہرایا۔ رسول اللہ کے مکتوب گرامی کو غور سے پڑھا۔ اُس نے اِس بات کا اعتراف کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں، وہ بہت اچھا دین ہے۔ اس اعتراف کے بعد ہوذہ نے حضرت سلیط بن عمرو سے کہا کہ دیکھو میں صرف حاکم ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کا شاعر اور خطیب بھی ہوں۔ عرب مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے مقام ومرتبہ کو پہچانتے ہیں، لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکومت میں شریک کریں تو میں اسلام قبول کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کو تیار ہوں۔ ہوذہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام یہ پیغام دیا اور سفیرِ رسول اللہ کو خلعت وتحائف دے کر واپس روانہ کیا۔ حضرت سلیط بن عمروؓ واپس تشریف لائے اور امیر یمامہ کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر یمامہ کے سیاسی اسلام کو قبول نہیں کیا۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا "اگر وہ بالشت بھر

---

[1] الاصابہ جلد ۱ ص ۲۶۲ -

[2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۳۰۳

زمین مانگے گا تو وہ بھی نہیں دوں گا۔ ہو نہ خود بھی تباہ ہوا اور اُس کا ملک بھی تباہ ہوا۔[۱]

دمشق سے رابطہ دمشق میں حارث بن شمر غسانی حکمران تھا۔ اس کے پاس حضرت شجاع بن وہب اسدیؓ کو پیغام دیکر بھیجا۔ دمشق کی حکومت سلطنت روما کے ماتحت تھی۔ حضرت شجاع بن وہب نے دمشق پہنچنے کے بعد پہلے اُس کے حفاظتی عملے کے افسران سے ملاقات کی اور دوران گفتگو ان سے حاکم دمشق کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کیں۔ یہ بات بھی انہیں حفاظتی عملے کے افسران کے ذریعے معلوم ہوگئی تھی کہ حارث کوئی آزادانہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ قیصر روم سے بہت ڈرتا ہے[۲]۔ مملکتِ اسلامیہ کے سفیر نے بعد میں امیر دمشق سے ملاقات کی اور اُسے رسول اللہؐ کا پیغام پہنچایا۔ حارث نے خط پڑھنے کے بعد درشت اور ناروا ردِّعمل کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے کہا کہ بھلا مجھ سے حکومت کون چھین سکتا ہے۔ رسول اللہؐ کے سفیر سے یہ بات کہہ کر اُس نے مملکتِ مدینہ کے خلاف جنگی تیاری کا حکم دے دیا۔ ساتھ ہی قیصر روم کو بھی جنگی کارروائی کی اجازت حاصل کرنے کے لیے لکھ بھیجا۔ قیصرِ روم کے پاس حاکم دمشق کا قاصد پیغام لے کر فوری طور پر روانہ ہوگیا۔ یہ اُسی زمانے کا واقعہ ہے جب قیصر روم کو حضرت دحیہ کلبیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی قسم کا پیغام پہنچا چکے تھے۔ جب حارث غسانی کا قاصد شاہِ روم کے پاس پہنچا اور اس نے تمام واقعات سے قیصر کو آگاہ کر کے جنگی کارروائی کی اجازت چاہی تو قیصر روم نے حاکم دمشق کو فوج کشی کے ارادہ سے منع کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ بیت المقدس میں ملک روم کے استقبال کی تیاریاں کرے۔ حارث غسانی کو تو روم کی طاقت پر گھمنڈ تھا۔ جب اُس نے یہ محسوس کیا کہ قیصر روم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف زدہ ہے تو اُس نے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کو بلا کر سو مثقال سونا بطور تحفہ دے کر روانہ کیا۔[۳]

دوسری متفرق سفارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بڑے بڑے حکمرانوں کے علاوہ اور بھی

۱؎ السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۳۰۴ - عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۶۹ - زاد المعاد جلد ۳ ص ۶۳

۲؎ ایضاً 〃 ص ۳۰۵ - حفاظتی عملے کے افسر نے یہ الفاظ کہے تھے۔ "هو يخاف قيصر"

۳؎ زرقانی جلد ۳ ص ۳۵۶ - عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۷۰ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۳۰۴

بہت سے قبائل کے سرداروں، ریاستوں کے حکمرانوں اور سیاسی قیادت رکھنے والی شخصیتوں سے سفارتی رابطے قائم کیے۔ مثلاً یمن کے بادشاہ حارث بن عبد کلالی کے پاس مہاجر بن امیہ مخزومی کو بھیجا[1]۔ قبیلہ بنو کلاب کے سردار سمعان بن قریط کے پاس حضرت عبداللہ بن عوسجہ عرنی کو، بکر بن وائل کے پاس ظبیان بن مرثد کو، قبیلہ حمیر کے رؤسا حارث، مسروح اور نعیم بن عبد کلال کے پاس حضرت عیاش بن ربیعہ کو، طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے پاس نمیر بن خرشہ کو، مسیلمہ کذاب کے پاس سائب بن عوام کو اور حضرت وائل بن حجرؓ کو خود اُن کے قبیلہ کے لوگوں کے پاس دے کر بھیجا[2]۔

سفارتی رابطوں کے اثرات عہد نبوی میں سفارتی ذرائع سے مختلف ممالک کے حکمرانوں اور اقوام کے ساتھ رابطہ قائم کرتے، اُن میں دعوتِ دین اور اشاعت حق کے لیے کام کرنے کے بہت دُور رس نتائج برآمد ہوئے۔ سب سے اہم فائدہ تو یہی ہوا کہ بہت سے حکمرانوں، قبائل کے سرداروں اور سیاسی رہنماؤں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور دعوتِ دین کے کام میں خود بھی شریک ہو گئے۔ معاشرے کے ان با اثر شخصیتوں کے قبولِ اسلام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی رعایا اور اُن کے زیر اثر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

بعض حکمرانوں نے اگرچہ اسلام تو قبول نہیں کیا۔ لیکن اس دعوت نے انہیں جھنجھوڑا ضرور۔ وہ اس دین کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوئے۔ اس کی حقانیت اور صداقت کا تصوّر بھی اُن کے دل و دماغ میں اُبھرتا رہا۔ یہ بات بھی ذہنی طور پر ماننے کے لیے مجبور تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کی دعوت کا کام مکمل طور پر اللہ کے لیے پورے خلوص سے کر رہے ہیں۔ مُلکوں اور علاقوں پر قبضہ کرنا یا اپنی مملکت کی سرحدوں کو وسیع کرنا اُن کا مقصد نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام قبول کرنے والے حکمرانوں یا قبائلی سرداروں کو حکومت و قیادت سے برطرف نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ انہی

---

[1] ابن ہشام۔ سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۷۸، ابن سید الناس، عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۵۹

[2] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۲ تا ۷۵۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے امراء اور سرداروں سے رابطہ قائم کیا۔ طبری، ابن سعد اور ابن کثیر میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس مختصر مقالہ میں طوالت کے پیش نظر ہم نے اُن کا تذکرہ نہیں کیا۔

لوگوں کو اپنے مناصب پر برقرار رکھتے تھے۔

دعوتِ دین کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال عزم و استقامت نے بھی اس دور کے بہت سے حکمرانوں کو یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج جس اعتماد و یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دے رہے ہیں مستقبل میں یہ دین ضرور غالب و کامیاب ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے حکمرانوں نے رسول اللہ کے ان سفیروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، انھیں تحائف پیش کیے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تحفے بھیج کر خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا۔ یہ حکمران کم از کم دوستانہ تعلقات ضرور چاہتے تھے ــــ صرف فارس کے شہنشاہ کسریٰ اور ایک اور حکمران نے ان سفیروں کے ساتھ بدسلوکی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ گرامی کے جواب میں ناروا ردِّ عمل کا مظاہرہ کیا۔

ایک اور بڑا فائدہ ان سفارتی سرگرمیوں کا یہ ہوا کہ ان حکمرانوں کے جوابات اور ان کے ردِّعمل نے ان کے مقاصد اور سیاسی عزائم کو واضح کر دیا۔ جن کی روشنی میں مملکتِ اسلامیہ کے لیے ان کے ساتھ مستقبل کی پالیسی مرتب کرنا اور ان کے ساتھ آئندہ تعلقات کی نوعیت متعین کرنا آسان ہو گیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیروں کے ساتھ طرزِ عمل

تاریخ کی کتابوں اور قدیم ادبیاتِ جاہلیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی یہ قانون تو موجود تھا کہ سفارتی نمائندوں سے اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، ان کے ساتھ بدسلوکی یا ایذا رسانی سے گریز کرنا چاہیے۔ لیکن اس قانون پر پوری طرح عمل درآمد نہیں کیا جاتا تھا۔ سفیروں کے ساتھ غیر مہذب سلوک ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ انھیں یرغمال بنانے اور قتل تک کر ڈالنے کی بے شمار مثالیں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں۔ بہت سے مسلمان سفیروں کے ساتھ بھی ناروا سلوک ہوتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض نمائندوں کو قتل بھی کیا گیا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سفارتی آداب ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ آپ خود بھی سفیروں کے ساتھ اعزاز و احترام کا سلوک کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں آنے والے سفرا اور وفود کو عزت و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہتے اور ان کا استقبال پورے اعزاز کے ساتھ کرتے تھے۔ عزت و احترام کے ساتھ ہی معاملہ نہ تھا، آپ ان کے ساتھ اس قدر رواداری کا مظاہرہ فرماتے تھے کہ ان کی بہت سی نازیبا اور ناقابلِ برداشت حرکتیں بھی تحمل اور

خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ سب سے بدترین وفد عامر بن طفیل کا وفد تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ یہ وفد تین افراد پر مشتمل تھا۔ عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی، عامر بن طفیل اس وفد کا قائد تھا۔ یہ تینوں افراد سردارانِ قوم تھے۔ ان کی حرکتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے عزائم ٹھیک نہیں تھے۔ عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت غیر مہذب بلکہ گستاخانہ انداز میں گفتگو کی، اور جب یہ وفد واپس جانے لگا تو یہ دھمکی بھی دی کہ وہ اپنے مسلح لشکروں کے ذریعے مدینہ کی بستی کو تہس نہس کر دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام بدسلوکی کے باوجود اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اور اسے سفیروں کی طرح رخصت کیا۔ اس کے جانے کے بعد آپ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ تو عامر کے فتنوں سے ہمیں محفوظ رکھ۔[1]

مسیلمہ کذاب نے بھی اپنا نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجا تھا۔ مسیلمہ کذاب کے کچھ سیاسی عزائم تھے۔ وہ رسول اللہؐ سے یہ چاہتا تھا کہ نصف حکومت اس کے حوالے کر دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے دعویٰ نبوت بھی کیا۔ مسیلمہ کذاب کے نمائندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہوں نے تمام آداب و اخلاق کو نظر انداز کر دیا۔ ان لوگوں نے بڑی بدتمیزی اور شرارت کا مظاہرہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تمام بدتمیزی کے باوجود اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ فرماتے رہے۔ جب انہوں نے تمام اخلاقی حدود کو پامال کر دیا تو رسول اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت کر دیا اور صرف یہ فرمایا:

اما واللہ لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما۔[2]	خدا کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سفیروں کا قتل جائز نہیں، تو میں ضرور تمہاری گردن اُڑوا دیتا۔

نجران کے عیسائیوں کا ایک بہت بڑا وفد مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا، جس کی قیادت

[1] ابن سید الناس۔ عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۳۲۔ زاد المعاد جلد ۳ ص ۲۹

[2] سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص ۲۶۲۔

عبد المسیح کر رہا تھا۔ اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھیرایا گیا۔ جب اُن لوگوں کی نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا چاہی۔ یہ لوگ بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ لوگ اپنے مسلکِ عیسائیت کے مطابق بیت المقدس کی جانب منہ کر کے ہماری مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو لوگوں نے انہیں روکنا چاہا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو منع کر دیا۔ اور اس وفد کو اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ چنانچہ انہوں نے مسجد نبوی میں مذہب عیسائیت کے مطابق نماز ادا کی[۱]۔

طائف سے قبیلہ بنو ثقیف کا وفد مدینہ منورہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بڑی عزت و احترام کے ساتھ ٹھیرایا۔ مسجد نبوی میں ان کے قیام کے لیے خیمے لگوائے۔ ان کے ساتھ مذاکرات اور اُن کی ضیافت کے لیے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو خاص طور پر افسر رابطہ و ضیافت مقرر فرمایا[۲]۔

مدینہ منورہ آنے والے سفرا اور وفود کے ساتھ اس خصوصی اعزاز و احترام کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اُن کی مالی خدمت بھی کی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کا وفد واپس جانے لگا تو اُس کے پاس زادِ راہ نہیں تھا۔ اُن کی واپسی کے سفر میں کھانے پینے کے انتظامات مملکتِ مدینہ نے کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضؓ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے لیے زادِ راہ کا انتظام کریں[۳]۔

اسی طرح بنو ثعلبہ کا وفد جب واپس روانہ ہونے لگا تو اس وفد کے تمام افراد کو پانچ پانچ اوقیہ چاندی دینے کا حکم صادر فرمایا[۴]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ سفیروں کے ساتھ اعزاز و اکرام کا سلوک کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ

---

[۱] السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ ص ۲۳۵

[۲] عیون الاثر جلد ۲ ص ۲۲۹ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۳ ص ۲۴۲، ۲۴۳

[۳] الخصائص الکبریٰ جلد ۲ ص ۲۳

[۴] الطبقات الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۹۸

یہ تھے۔

اجزهم کما تجیز الوفد[۱]

ان لوگوں کے ساتھ (وفد بنو ثعلبہ) اسی طرح خاطر مدارات کرو جس طرح وفود کے ساتھ خاطر مدارات کی جاتی ہے۔

سفرا کے تحفظ، اُن کے اعزاز و اکرام اور اُن کی مدارات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سرفہرست رکھا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیروں کے ساتھ بہتر برتاؤ کے لیے خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ان وفود کا احترام اور اُن کی مدارات اسی طرح کرتے رہنا، جس طرح میں کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ تھے:

اجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزهم[۲]

بیرونی وفود کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا جس طرح میں کرتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے حکموں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سفرا کے حقوق کا تعین کر دیا ہے۔ کوئی اسلامی مملکت ان میں کمی نہیں کر سکتی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرتِ رسولؐ

اختر حجازی (زیر طبع)

آج ہر فرد، ہر طبقہ، ہر قوم پریشان ہے۔ مشرق و مغرب پر ہولناک جنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں امن، چین اور سکون کا واحد حل

سیرت رسولؐ اور صرف سیرت رسولؐ

ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور

---

[۱] الطبقات الکبریٰ جلد ۱ ص ۲۹۸

[۲] الطبقات الکبریٰ جلد ۲ ص ۲۴۲